مطہرات سے متعلق ہے لیکن اس کے آخری جملے ''اور جب ان (ازواج مطہرات) سے کچھ کھانا مانگا کرو تو یہ پردے کے پیچھے سے مانگا کرو'' کا حکم بعد کے مفسرین نے ساری خواتین کے لیے عام کر دیا۔'' (ص؟؟)

قارئین کی آسانی کے لیے یہاں پر متعلقہ آیت حجاب بھی لکھ دی جاتی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعاً فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ...

''اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں بلا اجازت نہیں چلا جائے کرو، نہ کھانے کا وقت تکتے رہو، ہاں اگر تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو ضرور آؤ، مگر جب کھانا کھالو تو چلے جاؤ، بیٹھ کر باتیں کرنے میں نہ لگے رہو، تمہارا یہ عمل نبی کو تکلیف دیتا ہے، مگر وہ شرم ک وجہ سے کچھ نہیں کہتے، اور اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا ہے، نبی کی بیویوں سے اگر تمہیں کچھ مانگنا ہو تو پردے کے پیچھے سے مانگا کرو، یہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لیے مناسب طریقہ ہے''۔

اس سلسلے میں پہلی گزارش یہ ہے کہ جہاں تک طرز خطاب اور سبب نزول، کا معاملہ ہے، تو اہل علم جانتے ہیں کہ تفسیر کا یہ مسئلہ قاعدہ ہے کہ ''العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب'' جس کا مفہوم یہ ہے کہ جن آیات کا کوئی خاص شان نزول ہوتا ہے، ان کا حکم بھی صرف مخصوص موقع ہی کے لیے ضروری نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کے حکم کو عام قرار دیا جاتا ہے۔ گویا یہ نہیں کہا جائے گا کہ چونکہ فلاں آیت شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں جو حکم آیا ہے، وہ بھی اسی شخص کے ساتھ خاص ہے بلکہ وہ حکم عام بھی ہوسکتا ہے، اور سب کے لیے ہوسکتا ہے۔ یہی معاملہ اس آیت حجاب کا ہے۔ یہ اگرچہ اپنے طرز خطاب اور سبب نزول کے اعتبار سے خاص حکم رکھتی ہے مگر اس کے معنی ومفہوم میں عموم پایا جاتا ہے۔ روایات میں ہے کہ اس آیت حجاب کے نازل ہونے کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیے گئے تھے۔ پھر چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر تمام مسلمانوں کے لیے نمونے کا گھر تھا، اس لیے سب مسلمانوں نے بھی اپنے گھروں پر پردے لٹکا دیے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نے بھی اس آیت کے حکم کو خاص نہیں سمجھا بلکہ عام سمجھ کر اس پر عمل کیا اور صحابہ کرام کی قرآن فہمی بعد والوں کی قرآن فہمی سے بہرحال مقدم ہے۔

دوسرے اس آیت کے آخری فقرے میں بھی اس بات کا واضح اشارہ موجود ہے کہ جو لوگ اپنے مردوں اور اپنی عورتوں کے دلوں کو پاک رکھنا چاہتے ہیں، وہ یہی طریقہ اختیار کریں جس کا یہ آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ پھر جہاں تک ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِن کی قرآنی حکمت کا تقاضا ہے تو کیا اسلام میں بھی صرف صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے دلوں کی پاکیزگی مطلوب ہے، اور بعد میں آنے والے مسلمان مردوں اور عورتوں کے دلوں کی پاکیزگی اسلام کو مطلوب نہیں ہے؟ جس طریقے کے بغیر صحابہ کرام اور ازواج مطہرات کے دلوں کی پاکیزگی میں کمی آسکتی تھی، کیا اس طریقے کے بغیر جدوجہد میں آنے والے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے دلوں کی پاکیزگی میں کمی نہیں آسکتی؟

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی☆

لال مسجد کا سانحہ، علماءِ عظام اور صدر مشرف

اسلام آباد کی لال مسجد کا نام مہینوں سے ہر اُس آدمی کو ذہنی پریشانی میں ڈالے ہوئے تھا جو اسلام اور اسلامی شعائر سے نام کا بھی جذباتی تعلق رکھتا ہو۔ دعائیں تھیں کہ اللہ کوئی بہتر حل کی صورت نکال دے۔ مگر دعاؤں پر تو مدت سے ہماری بداعمالیوں نے درِاجابت بندسا کر رکھا ہے۔ سو، ۱۱ر جولائی کو ساری دعاؤں کے علی الرغم یہ پریشانی ایک اتھاہ رنج والم میں جا بدلی۔ افہام وتفہیم کی کوششیں نہ صرف حکومت کی طرف سے ہوا کیں، پاکستان کے مؤقر ترین علماء کی طرف سے بھی مسجد اور اس سے وابستہ جامعۂ حفصہؓ کے ذمہ دار برادران (عبدالعزیز صاحب اور عبدالرشید صاحب) سے پیہم کہا جاتا رہا کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر اسلام نافذ کرنے کی راہ سے واپس آجائیں۔ ورنہ اس کے نتائج تنہا ان کو نہیں، کم وبیش سب ہی اہلِ مدارس ومساجد کو خدانہ کردہ بھگتنا پڑیں گے۔ مگر نہ دعاؤں سے کچھ ہونا تھا نہ کوششوں سے۔

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

حکومت ایکشن میں آئی، اور وہ ہوا کہ اپنے تو اپنے وہ غیر بھی روئے جو حکومت پر لعنت برسا رہے تھے کہ لال مسجد والوں کے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا جا رہا، جبکہ انھوں نے حکومت اندرونِ حکومت قائم کر رکھی ہے اور سرِ عام لوگوں کے انسانی حقوق پامال کر رہے ہیں۔ اور تو اور، حقوقِ انسانی کی ایک عالمی شہرت یافتہ چیمپین خاتون عاصمہ جہانگیر جو وہاں ہوتی ہیں، اور بھرپور تنقید کرنے والوں میں شامل تھیں وہ بھی کہہ اُٹھیں ہیں کہ لوگ بیشک غلط تھے مگر مارے بھی غلط طریقے سے گئے۔ الغرض، مشکل ہی سے کوئی اس روشن خیال قبیلے میں نکل رہا ہے جو ایکشن کے بعد کہہ رہا ہو کہ ہاں ٹھیک ہوا۔ حد یہ ہے کہ پاکستان کی عدالتِ عالیہ (سپریم کورٹ) از خود اس معاملہ کا نوٹس لیکر حکام کو پے بہ پے ہدایات جاری کرنا اپنی ذمہ داری سمجھ رہی ہے کہ اس سلسلہ کے معاملات میں کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے۔

لال مسجد برادران حکومتی ایکشن (یا آپریشن) سے پہلے تک پوری سوسائٹی میں بالکل یکہ وتنہا (Isolate) تھے۔ کوئی قابلِ ذکر آدمی ان کی حمایت کو تیار نہ تھا۔ اور علماءِ دیوبند، جن سے ان برادران کا مسلکی رشتہ تھا ان کے اکابر نے تو اپنا سمجھانا کارگر نہ ہوتا پاکر ان سے بالکل قطع تعلق و براءت کا اظہار اس حد تک کیا کہ اپنے مدارس کی تنظیم ''وفاق المدارس''

☆ سرپرست ماہنامہ الفرقان، لکھنو۔

سے ان کے مدرسوں (جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ) کا الحاق بالاعلان ختم کر دیا۔ اس سے زیادہ کسی دلیل کی ضرورت اس بات کے لیے نہ تھی کہ یہ دونوں برادران جو کچھ کر رہے اور اپنے طلباء وطالبات سے کرا رہے ہیں یہ ان کی ایک ایسی سوچ ہے جس کی تائید کی کوئی گنجائش ان کے اپنے علما بھی اپنے علم میں نہیں پاتے۔ اور ان مؤقر علماء کرام کے اس موقف کی روشنی میں بجا طور پر سمجھا جا سکتا تھا کہ بالفرض حکومت اُن کے ہاتھ میں ہوتی تو حکومت کی طاقت سے بھی وہ سب کچھ کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے جس سے ان برادران کے خلافِ قانون اقدامات پر روک لگائی جا سکے۔ اور کوئی جائز استغاثہ ان کے اقدامات کے سلسلہ میں پیش ہوتا تو اس کو بھی قابلِ شنوائی جانا جاتا۔

یہ ایک ایسی صورتِ حال رونما ہو رہی تھی جسے کہا جا سکتا تھا کہ ایک شر سے خیر کا ظہور ہوا چاہتا ہے۔ مدارس اور علماء ِمدارس جو تقریباً چھ سال سے اس شک وشبہے اور الزام کا نشانہ بنے ہوئے تھے (اور یہ زیادہ تر دیوبندی مدارس کے بارے میں تھا) کہ ان میں دہشت گردی کی بھی تربیت ہوتی یا اسکے جراثیم پیدا کئے جاتے ہیں، اس صورتِ حال سے بہت کچھ مدد یہ ثابت ہونے میں مل سکتی تھی کہ اس شک وشبہے کو عمومی نوعیت میں مدارس پر پھیلانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ایک اور بڑا مسئلہ مدارس اور علماء کے حوالہ سے اسلامی حکومت کے ''طالبانی تصور'' کا بنا ہوا تھا، وہ تصور جس کی ایک عملی نمائندگی لال مسجد برادران کرنے لگ گئے تھے، سو اس پر علماء عظام کی متفقہ اور بالاعلان نکیر نے کوئی گنجائش کسی کے لیے نہیں رہنے دی تھی کہ آئندہ اس کو علماءِ پاکستان کے حوالے سے زبان پر لایا جائے۔ مگر صدر مشرف صاحب کی حکومت، جو چھ ماہ سے یہ تأثر دینے میں لگی ہوئی تھی کہ وہ طاقت کا استعمال نہیں کرنا چاہتی، اس نے ایک دم سے طاقت کا وہ استعمال کر کے کہ جیسے ساری تأخیر واحتیاط کی تلافی کر دینا چاہتی ہو، اس (شر سے خیر نکلتی ہوئی) صورتِ حال کا قصہ آناً فاناً تمام کر دیا اور بھرپور توپ وتفنگ سے چڑھائی کر کے یکسر وہ ایک نئی فضا اس کے برعکس پیدا کر ڈالی کہ ''ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز۔''

ٹھیک ہے کہ ان برادران کا دستِ اصلاح وانکار اپنے لوگوں سے بڑھ کر غیر ملکی لوگوں (اور وہ بھی چینیوں) تک جا پہنچا تھا اور چینی حکومت اس پر فوراً اپنے سفیر کے ذریعہ حرکت میں آئی تھی، مگر پاکستان میں تو اب تک کتنے ہی چینی انجینئر قتل ہو چکے ہیں۔ یہاں تو قتل جیسا کوئی کیس بھی نہ تھا کہ ایک دم سے فوج کو حکمِ بزن دے دیا جائے، حتیٰ کہ اپنے بندے مر جانے کی بھی پروا نہ کی جائے!

حکومت کے اس بے ہنگم وغیر متناسب (Inappropriate) اقدام نے خود اس کو تو ملزمین کے کٹہرے میں کھڑا کر ہی دیا ہے، اور اس کو وہی بھگتے گی، مگر یہاں سے علماء کرام کا جو یوٹرن سامنے آیا ہے کہ وہ سانحہ کے سلسلہ میں مسجد برادران کا حصہ بھلا کر ساری ذمہ داری حکومت پر ڈال رہے ہیں، وہ ہم جیسوں کے لیے تو لال مسجد قصہ کے انجام سے کم المیہ نہیں ہے، اس لیے کہ وہ تمام بہتر صورتِ حال جو گزشتہ چھ ماہ میں اِن حضرات کے، یعنی دین کے مستند نمائندوں اور اداروں کے حق میں، ان کے ایک قدرے جرأت مندانہ موقف کی بنا پر پیدا ہونا شروع ہوئی تھی، اس کا قصہ بھی ان کی پوزیشن کی اس تبدیلی کے ساتھ یقیناً ختم ہو گیا۔ اور جتنی اطلاعات اب تک سامنے ہیں، جن میں کوئی تضاد بھی نہیں ہے، ان کے مطابق کوئی معقول وجہ بھی نہیں بنتی کہ ۱۰/۱۱ جولائی کی رات میں جو کچھ ہوا، اس کی ذمہ داری میں لال مسجد برادران کا حصہ پسِ پشت ڈال کر محض حکومت کی مذمت کی جائے۔ پہلے دن (۱۱ جولائی) سے آج دمِ تحریر (۲۳ جولائی) تک کی

اطلاعات کے مطابق اس یوٹرن کی وجہ فقط یہ سامنے آ رہی ہے کہ اس رات میں سمجھوتے کا ایک ڈرافٹ (مسودہ) حکومت کے نمائندوں اور علماء کے نمائندوں کے اشتراک سے، بہ منظوری عبدالرشید غازی صاحب، تحریر ہوا۔ پھر وہ ڈرافٹ صدر مملکت کے پاس منظوری کے لیے گیا تو وہاں سے ترمیم کے ساتھ واپس آیا جس پر ''ہاں یا ناں'' کے لیے آدھا گھنٹہ یا (ایک روایت کے مطابق) بس پندرہ منٹ دیے گئے، کیونکہ فوج نے فائنل آپریشن کے آغاز کے لیے جو گھڑی مقرر کر رکھی تھی، اس کا وقت نکل رہا تھا۔ علماء کے نزدیک ترمیم پر فیصلہ کے لیے یہ وقت ناکافی تھا، اس لیے انھیں سمجھوتے کا کردار چھوڑ کر اُٹھ آنا پڑا، اور پھر ہوا جو ہوا۔

پاکستان کے علماء کرام اپنے معاملات کو سمجھنے میں یقیناً ہم سے بہتر پوزیشن میں ہیں، اور یوں بھی یہ معاملہ ایسی جذباتی نوعیت کا ہے کہ اس نوعیت کے معاملات میں باہر سے کوئی رائے زنی ناخوشگواری کا باعث ہوسکتی ہے۔ مگر حالات کے اس جبر کو کیا کہیے کہ پاکستانی مدارسِ عربیہ کے خلاف پروپیگنڈہ مہم نے وہاں سے لے کر افغانستان ہی نہیں، ہندوستان اور برطانیہ تک کے واقعات کو ان مدارس سے جوڑ دیا ہے۔ اس لیے پاکستانی مدارس کا مسئلہ اب سب کا مسئلہ بن گیا ہے۔ اس لیے، ہم نے ایک اطمینان کا سانس لیا تھا کہ لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے معاملے میں پاکستان کے اکابر اہلِ مدارس نے جو موقف اختیار فرمایا ہے، وہ ان شاء اللہ مخالف پروپیگنڈے کی طاقت توڑے گا اور مطلع کچھ صاف ہوگا۔ مگر اب ۱۱ جولائی کے بعد موقف میں جو تبدیلی یکا یک آئی ہے، ہمارا خیال ہے وہ بجائے خود ہی اس پروپیگنڈے کو بے حد تقویت نہ دے گی جس کا سحر ٹوٹنے کی امید ہم کر رہے تھے، بلکہ حکومتی آپریشن کے بے ہنگم پن نے جو حکومت مخالف انتقامی تشدُّد کی ایک اندھی لہر پاکستان میں دوڑائی ہے، اسے بھی اخلاقی تائید علما کے اس موقف سے ملے گی۔ اور مولانا عبدالعزیز صاحب جنھوں نے برقع میں نکل بھاگنے کا ننگ مجاہد علما کے نام کو لگایا (اور پھر وہی برقع پہن کر انٹرویو دینے کا دباؤ بھی قبول کر لیا) وہ جس طرح کی ''مجاہدانہ'' تقریر اپنے بھائی کی تدفین کے موقع پر کرتے سنے گئے، اس کا حوصلہ انھیں کہاں سے دستیاب ہوا مانا جائے گا؟ اور اس سب سے بڑھ کر وہ ہزاروں طلبہ وطالبات جن کے ذہن میں اسلام، جہاد اور شہادت کا ایک سفیہانہ اور گمراہانہ تصور ان برادران نے بٹھا دیا تھا اور اس کے المناک و یاس انگیز انجام سے امید ہوسکتی تھی کہ سمجھائے جانے پر یہ نوعمر سمجھ کی راہ پالیں اور پاکستان اور اسلامیانِ عالم کے لیے مزید مسئلہ نہ بنیں، یہ امید کیسے قائم رکھنا ممکن ہوگی اگر ان کے کان میں وہی آوازیں جائیں گی جو یہ سننا چاہ رہے ہوں گے؟

لال مسجد اور حکومت کے درمیان سمجھوتہ ڈرافٹ کی وہ آخری شکل جو صدر مشرف کی ترمیمات سے بنی اور جس کے نتیجہ میں علمائے کرام سمجھوتے کی کوشش سے باہر آ گئے، وہ حسنِ اتفاق سے آج (۲۳ جولائی) کے اخبار جنگ کے ایک کالم کے ذریعہ ہمارے سامنے آ گئی ہے۔ اسے دیکھ کر تو صرف اپنی بدقسمتی ہی اس کی ذمہ دار نظر آتی ہے کہ سمجھوتہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ جنگ کے اس کالم کے مطابق، جو پاکستان کے معروف صحافی حامد میر صاحب کا ہے، صدر کے منظور کردہ سمجھوتہ ڈرافٹ کی آخری اور حتمی شکل یہ بن گئی تھی کہ (۱) عبدالرشید غازی کو ان کے گھر میں رکھا جائے گا اور ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی، (۲) لال مسجد سے باہر آنے والے تمام لوگوں کے خلاف قانون کے مطابق کارروائی ہوگی، (۳) جامعہ حفصہ

اور جامعہ فریدیہ کا مستقبل محکمۂ اوقاف، وفاق المدارس اور دیگر حکومتی اداروں کے مشورہ سے طے کیا جائے گا۔ حامد میر صاحب نے ڈرافٹ کی یہ آخری شکل اپنے نام جناب مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی کے ایک خط کے حوالہ سے، جو سمجھوتے کی اس کوشش میں علمائے کرام کے سربراہ تھے، درج کی ہے۔ ہمارے سامنے سمجھوتے کا ابتدائی مسودہ نہیں ہے، تاہم یہ سمجھنے سے ہم خود کو بالکل قاصر پاتے ہیں کہ مسوّدے کی یہ آخری شکل سابق سے کتنی بھی بدلی ہوئی رہی ہو، پھر بھی اس میں کا کون سا نکتہ ایسا تھا کہ اس کی بنیاد پر سمجھوتے کے کردار سے دستبرداری دے دی جائے؟

چھ مہینے جو کچھ لال مسجد سے ہوتا رہا اور خود حضراتِ علما اسے ناقابلِ قبول قرار دیتے رہے، اس کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سمجھوتے کی یہ دفعات کسی طرح بھی غیر منصفانہ اور کسی زیادتی پر مبنی کہے جانے کے قابل نظر نہیں آتیں۔ اس ڈرافٹ کے رد کیے جانے سے اندازہ ہوتا ہے، اور یاد آتا ہے کہ خبریں بھی اس طرح کی آئیں تھیں، کہ عبدالرشید غازی نے سیف پیسیج (Safe Passage) دیے جانے (یعنی جہاں اور جس طرح چاہیں، چلے جانے دیے جائیں) کی شرط پر ہتھیار ڈالنے کے لیے آمادگی ظاہر کی تھی۔ پہلے مسودہ کی سب سے اہم بات غالباً یہی رہی ہوگی مگر ایسی حالت میں کہ فوج کے کئی آدمی کام آ چکے تھے جس میں لیفٹیننٹ کرنل کے رتبہ کا افسر بھی تھا، کیا سربراہِ فوج صدر سے امید کی جانی چاہیے تھی کہ وہ اس سے زیادہ رعایت غازی صاحب کو دے دے کہ وہ (جیل میں نہیں) اپنے گھر میں نظر بند کیے جائیں گے؟ ہر چند کہ یہ تأثر و تبصرہ صدر مشرف صاحب کے حق میں جا رہا ہے، جبکہ ہم خود بھی ان کے طرزِ حکومت کے سلسلہ میں، بالخصوص دین کے حوالے سے، کلمۂ خیر کہنے کی گنجائش نہیں پاتے، مگر دین ہی کا کہنا ہے کہ:

يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَئَانُ قَوْمٍ عَلٰىٓ اَلَّا تَعْدِلُوا (المائدہ:۸)	''اے ایمان والو کھڑے ہو اللہ کے لیے، گواہی دینے والے بن کر انصاف کی۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو''

اور اس حکمِ الٰہی سے اگر اس راقم کے جیسے لوگ بھی اعراض کرنے لگ جائیں جن کو سال بھر تک آیۃٌ من آیات اللہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ (م ۱۹۵۷) کے حضور قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردان کی عزت ملی ہے، پھر کس کی شکایت کی جا سکے گی کہ وہ اس فرمان سے آنکھ چرا رہا ہے؟ (اللہ جانتا ہے، میں اپنے اس شرف کا اظہار بالکل مجبوراً کر رہا ہوں)

کیسے کہا جائے اور کیسے نہ کہا جائے کہ حکومتی آپریشن کے آثار سامنے آتے ہی غازی صاحب اور ان کے برادر بزرگ کو اوّلاً تو مسجد کے تقدّس اور طلباء و طالبات کے تحفظ کی خاطر خود کو حکومت کے حوالے کر دینا تھا کہ پھر جو کچھ بیتے ان پر بیتے، مسجد اور طلباء و طالبات پر گولہ بارود کا عذاب نہ آئے۔ دوسرے، وہ جب لڑنے اور جان دینے کو تیار ہو سکتے تھے تو جیل جانا اور عدالت کا سامنا کرنا کیا اس سے بھی کوئی مشکل بات تھی؟ وہ خود کو جب اس قدر برسرِ حق سمجھتے تھے کہ اپنے شیوخ واکابر کی بھی نہ سنیں، تب تو اس حق کے اظہار اور اثبات کے لیے سب سے بہتر ممکن جگہ عدالت کا کٹہرا ہی تھا۔ اور ہمارے بزرگوں نے تو اظہارِ حق کے اس پلیٹ فارم کی آواز کو ہمیشہ لبیک کہا اور بھرپور استعمال کیا ہے، اس سے گریز کر کے سیف پیسیج مانگنا یہ تو کسی بھی طرح قابلِ حمایت کردار نہیں بنتا۔